اسلام کا اقتصادی نظام

(۴)

از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

ملیں اور کارخانے جب صنعت و حرفت انسانی ہاتھوں سے نکل کر مشینوں اور کلوں کے قبضہ میں چلی جاتی ہے تو "سرمایہ دار" کے لیے جنت کی ایک کھڑکی کھل جاتی ہے اور وہ "ملیں" اور "کارخانے" قائم کر کے خدا کے اپنے ہی جیسے بندوں "غریبوں اور مزدوروں" پر آقائی بلکہ العیاذ باللہ خدائی کرتا ہے۔ وہ مزدوری کے نام سے اُن کی جان، مال اور آبرو پر قابض ہو جاتا، اور ان انسانوں کو غلاموں کی طرح نہیں بلکہ حیوانوں کی طرح اپنے مفاد کی قربانگاہ پر چڑھانے کا عادی بنجاتا ہے اور بڑے فخر سے کہتا ہے۔

دے رہا ہوں مزد کی صورت میں اس کو بس نکات　　در حقیقت اُس کی محنت کا صلہ کچھ بھی نہیں

اس کی کم ظرفی نے فطرت کا بگاڑا ہے مزاج　　رفتہ رفتہ ہو رہی ہے وہ خسیس و خشمگیں

سیم و زر لیکر بھی ہیں راضی نہ تھا روز ازل　　بن گیا مزدور جھٹ جاروب تیشہ کا رہیں

اور طرفہ تماشا یہ کہ اس دور تہذیب و تمدن کے موجد جو غلامی کو لعنت کہتے اور اُس کے خلاف بڑھ بڑھ کر لیکچر دیتے رہتے ہیں غلامی کے اس "اقتصادی جال" کو نہ صرف جائز رکھتے بلکہ اپنی حکومتوں اور طاقتوں کے لیے بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں، اور اسی لیے اُس کو ہر وقت سراہتے اور سرمایہ دار کے اس جال کی بندشوں کو قوانین کی راہ سے اور زیادہ مضبوط کرتے رہتے ہیں۔ اور اس جال کی بندشوں کا حسن و نکھار اُس وقت اور زیادہ قابل دید ہوتا ہے جب اُس کے جواز کے لیے دھرم اور مذہب کی حمایت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

محنت کی زیادتی، حقِ محنت کی کمی، عام حقوقِ انسانی سے محرومی کے بعد اس ریوڑ کی زبوں حالت دیکھنی ہو تو بمبئی، کلکتہ، کراچی، مدراس، دہلی، کانپور، شولاپور، جیسے تجارتی مقامات میں جاکر دیکھیے، پہلے "مل آنرز" کی چمن زار کوٹھیوں، اور جنت نظیر بنگلوں پر ایک نظر ڈالیے اور اس کے بعد پھر اُن غلیظ اور نجس "چالوں" اور کوارٹروں کو ملاحظہ فرمائیے جس میں بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح مزدور آباد ہیں۔

لیکن قانونِ فطرت انتقام لیے بغیر کب باز رہتا ہے آخر مزدور و سرمایہ دار کی جنگ کے نام سے وہ شعلے بھڑک اُٹھے ہیں جس نے "سرمایہ دارانہ نظام" بھسم کرکے ایک نئے رنگ و روغن دیے ہوئے نظام کے لیے زمین ہموار کردی ہے۔

اسلام چونکہ خود دینِ فطرت ہے اور اُس کا نظام کسی انتقام یا ردِعمل پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ اپنے وجود ہی میں کائناتِ انسانی کی عام فلاح و بہبود کا ہمہ گیر نظام، اور انسانی ضروریات دینی و دنیوی کے ہر شعبہ میں مستقل انقلابی پیغام ہے۔ اس لیے اُس نے اپنے اقتصادی نظام میں اس جگہ بھی مذموم سرمایہ داری کی حمایت نہیں کی بلکہ سرمایہ اور محنت میں ایک ایسا معتدل توازن قائم رکھا ہے کہ اس کے بعد اس جنگ کے لیے کوئی جگہ ہی باقی نہیں رہتی۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ سرمایہ دار، مزدور کو کن راہوں سے تباہ و برباد کرسکتا ہے سو اگر وہ راہیں بند کردی جائیں تو پھر تعاون و باہمی امداد کا وہ قانون جو انسان کی جبلت میں ودیعت کیا گیا ہے یہاں بھی بغیر افراط و تفریط کے صحیح کل پرزوں سے چل سکتا ہے۔

(۱) پہلی گرہ جو اس جال میں مزدور کو پھنسانے کے لیے لگائی گئی ہے وہ "اُجرت کی کمی" ہے وہ نادار ہے، مفلس ہے، بیچارہ ہے، فاقہ کش ہے، اس لیے اُس کی محنت کا صلہ ایک روپیہ ہونے کے باوجود سرمایہ دار اُس کو چار آنہ پر راضی کرلیتا ہے، اس لیے کہ وہ بھوکا ہے، تن پیٹ

دونوں کے لیے عاجز و درماندہ ہے، سرمایہ دار خوش ہے کہ اُس نے جبر نہیں کیا بلکہ مزدور اپنی خوشی سے اس پر آمادہ ہوگیا۔

(۲) دوسری گرہ یہ لگائی گئی کہ کم سے کم مزدوری میں مزدور سے کام زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اس کو بھی مفلس اپنے افلاس اور تنگ حالی بلکہ فاقہ کشی کی خاطر منظور کرلیتا ہے، اور اپنی بیچارگی پر آٹھ آٹھ آنسو بہا کر نو ۹ دس گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ محنت کرکے سرمایہ دار کو خوش کرتا ہے تب جاکر بمشکل چار آنہ کا حقدار ہوتا ہے۔

لیکن اسلام اپنے نظام میں "مفلس" اور صاحبِ حاجت کی اس رضامندی کو "مرضی" نہیں تسلیم کرتا، اور سرمایہ دار کے ان دونوں پھندوں کو ظلم قرار دے کر ان کو باطل کرتا ہے۔

فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:-

فان کان الاستنماء فیہا بما لیس لہ	پس اگر مالی نفع ایسے طریقہ پر حاصل کیا جائے کہ
دخل فی التعاون کالمیسر او بما	اس میں عاقدین کے درمیان تعاون اور عملِ محنت
ھو تراض بشبہ الاقتضاب فان	کو دخل نہ ہو جیسے قمار یا زبردستی کی رضامندی
المفلس یضطر الی التزام ما لا یقدر	کا اُس میں دخل ہو جیسے سودی کاروبار، تو
علی ایفائہ ولیس رضاہ رضا فی	ان صورتوں میں بلاشبہ مفلس اپنے افلاس کی وجہ
الحقیقۃ فلیس من العقود المرضیۃ	سے خود پر ایسی ذمہ داریاں عائد کرنے پر آمادہ ہو جاتا
ولا الاسباب الصالحۃ وانما ھو	ہے جن کا پورا کرنا اُس کی قدرت سے باہر
باطل وسحت باصل الحکمۃ	ہوتا ہے، اور اُس کی ......
المدنیۃ [1]	وہ رضامندی حقیقی رضامندی نہیں ہوتی، تو
(حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ من ابواب ابتغاء الرزق)	اس قسم کے تمام معاملات رضامندی کے معاملات

نہیں کہلائے جا سکتے اور نہ اُن کو پاک ذرائع آمدنی کہا جا سکتا ہے بلاشبہ یہ معاملت تمدنی حکمتوں کے اعتبار سے قطعاً باطل اور خبیث کمائی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل ثلثۃ انا خصمھم یوم القیمۃ ومن کنت خصمہ خصمتہ (الی) ورجل استاجر اجیراً استوفی منہ ولم یوفہ[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑونگا اور جس سے میں جھگڑوں اُس کو مغلوب و مقہور ہی کرکے چھوڑونگا، اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے مناسب اُس کی اُجرت نہیں دیتا۔
ولیستعملھما فیما یحسانہ ویطیقانہ بلا اضرار بھما[2]	کام لینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ (آزاد ہوں غلام) دونوں قسم کے اجیروں سے اس حد تک کام لے کہ وہ اچھی طرح کام انجام دیسکیں اور بقدر طاقت کام لینا چاہیے اور اس طرح کام نہ لے کہ ان کو اتنی محنت کرنی پڑے کہ اُن کی صحت وغیرہ کو نقصان پہنچے۔

(۳) سرمایہ داری کے جال کا اس سلسلہ میں تیسرا پھندا یہ ہے کہ "مزدور" کی اُجرت معین نہ کرے اور اُس کی غربت سے فائدہ اُٹھا کر یونہی کام پر لگائے اور کام مکمل کرانے کے بعد جو اُجرت چاہے دیدے اسلام نے اس کو بھی ناپسند اور ناجائز کہا ہے اور ایسے معاملہ کو خیانت سے تعبیر کیا ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن استیجار الاجیر حتی یبین لہ اجرہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اُجرت طے کیے بغیر کام پر لگا لیا جائے۔

(۴) چوتھی گرہ یہ ہے کہ حقِ محنت تو مقرر کردیا جائے لیکن ادائیگی میں من مانی رکاوٹ، پریشان کن ترکیبیں، جبر وظلم کے طریقے اختیار کیے جائیں اور مزدور کو وقت پر اُس معمولی حقِ محنت سے بھی فائدہ

[1] بیہقی جلد ۶ کتاب الاجارہ [2] محلی ابن حزم احکام الاجارات جلد ۸۔

اُٹھانے کا موقع نہ دیا جائے۔

اسلام نے اس کا بھی سدباب کیا ہے اور ایسا کرنے کو بدمعاملگی "ظلم" اور بڑا گناہ قرار دیا ہے اور وہ اپنے اقتصادی نظام میں ایک لمحہ کے لیے بھی سرمایہ دار کے اس ظلم سے درگذر نہیں کرنا چاہتا۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مطل الغنى ظلم (بخاری، مسلم)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مالدار کا مالداری کے باوجود دوسرے کے ادا حق میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعط الاجير اجره قبل ان يجف عرقه (بیہقی جلد ۶)	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اُس کے پسینہ کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

(۵) پانچویں گرہ یہ ہے کہ "مزدور" کے حق تلف کرنے اور بہانہ سازی سے "سرمایہ داری" کو فروغ دینے کے لیے مزدور پر کام خراب کر دینے کے الزام میں دیے ہوئے چند ٹکے بھی جرمانہ کے نام سے واپس لے لیے جاتے ہیں، گویا اس طرح یہ ظالم سرمایہ دار اپنے نقصان کا "تاوان" "انصاف" کے نام سے وصول کرتے ہیں۔

اسلام نے اس کو بھی افراط و تفریط سے الگ اعتدال کی حالت پر لانے کی کوشش کی ہے اور عدل و انصاف کے صحیح اصول پر یہ فیصلہ کیا ہے۔

ولا ضمان على اجير مشترك او غير مشترك ولا على صانع اصلاً الا ما ثبت انه تعدى فيه او اضاع والقول فى كل ذالك ما لم تقم	اور اجیر مشترک ہو یا خاص یا کاریگر ہو اُس پر مال کے نقصان ہو جانے یا ہلاک ہو جانے سے کوئی تاوان نہیں آیا، تاوقتیکہ اُس کا ارادی قصور یا ضائع کر دینا ثابت نہ ہو اور ان تمام امور میں

علیہ بینۃ قولہ مع یمینہ الخ   جب تک اُس کے خلاف گواہ موجود نہ ہوں اُسی اجیر کا قول معتبر ہو قسم کیساتھ

اور ان تصریحات کے بعد اسلام اپنے اقتصادی نظام میں مزدوروں اور پیشہ وروں کو بھی ارباب رأس المال کے ساتھ زیادتی اور بیجا تعدی کرنے سے روکتا ہے اور نہیں چاہتا کہ ایک طرف سے افراط اور دوسری طرف سے تفریط ہو۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال   رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین
خیر الکسب کسب العامل اذا نصح[2]   کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی
اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔

اور ان تمام احکام عدل و انصاف کے بعد وہ "مستاجروں اور اجیروں" دونوں کے لیے ایک عام قانون بیان کرکے میزانِ عدل کو مساوی رکھنے کی سعی کرتا ہے۔

"ومن السنۃ ان یعامل الناس   اسلام کی سنت یہ ہے کہ لوگوں (اجیر و مستاجر، بائع و مشتری
بالمرحمۃ والنصیحۃ" وھی ان لا   وغیرہ) کو آپس میں مہربانی، رحم اور باہم دیگر خیر خواہی کے
یرضی لاخیہ الا ما یرضی لنفسہ[3]   ساتھ معاملات کرنے چاہئیں اور وہ یہ کہ اپنے بھائی کے لیے
وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے یعنی معاملات میں صرف
اپنے فائدہ ہی کا پہلو پیش نظر نہ ہو بلکہ فریق ثانی کا بھی خیال رہے۔

یہی وجہ ہے کہ فیلسوف اسلام شاہ ولی اللہ دہلوی نے "اجارہ" کو "تعاون" اور معاونت میں شمار کیا ہے یعنی ایسے معاملات اور کاروبار جو دو فریق کے باہم دگر مدد و اعانت سے نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اما المعاونۃ فانواع ایضاً والاجارۃ   معاونت کی چند اقسام ہیں اور اجارہ بعض لحاظ
وفیہا معنی المبادلۃ وفیہا معنی المعاونۃ[4]   سے مبادلہ اور بعض لحاظ سے معاونت۔

[1] محلی جلد ۶ ص ۲۰۱ [2] رواہ احمد مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۹۵ [3] شرح شرعۃ الاسلام ص ۴۳۲ فصل فی طلب الحلال
[4] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲

لیکن اگر ان حقوق میں تصادم پیش آجائے اور ایک دوسرے کے حقوق پر دستبرد کرنے لگے، تو اس قسم کے تمام معاملات میں یعنی تعیین مدتِ عمل، تعیین مقدار اجرت، آسائش وراحت کے انسانی حقوق وغیرہ میں "حکومت" کو دخل اندازی کرنی چاہیے اور خود عدل وانصاف کے ساتھ ان معاملات کو اس طرح طے کر دینا چاہیے کہ جانبین کے واجبی حقوق میں ظلم کا شائبہ تک باقی نہ رہے۔ چنانچہ نرخ کی گرانی کی بحث میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب ضرر عام ہو اور جماعتی نقصان کا اندیشہ ہو تو اُس وقت حکومت کو مداخلت کا حق ہے۔

ولا یسعر حاکم الا اذا تعدی	حاکم نرخ میں اُس وقت تک مداخلت
الارباب عن القیمۃ تعدیا	نہ کرے جب تک "ارباب نرخ" قیمت کی گرانی میں
فاحشا فیسعر بمشورۃ اھل	زیادتی پر نہ اُتر آئیں اُس وقت امام کو اہل الرائے
الرائے [1]	کے مشورہ سے نرخ مقرر کر دینا چاہیے۔

یعنی امام کو متعلقہ امر کے ماہرین کی مجلس شوریٰ یا سب کمیٹی مقرر کر کے اُس کے مشورہ سے اقدام کرنا چاہیے۔

الحاصل، اسلام اگرچہ اپنے اقتصادی نظام میں صنعت وحرفت اور تجارت پر بہت زور دیتا ہے اور جگہ جگہ ایماندار تاجروں کو خدا کی رضا اور جنت کی بشارت سُناتا اور اس کو خوش عیشی اور رفاہیت کی راہ بتاتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیشے اور کسب معاش کے حوالے سُنا کر صنعت وحرفت کی ترغیب دیتا اور گھریلو اور دستی کاریگری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، کیونکہ یہی وہ طریقہ ہے جس سے مذموم سرمایہ داری بھی قوم میں پیدا نہیں ہوتی اور عام متوسط خوشحالی کی راہیں بھی کھل جاتی ہیں۔

[1] درمختار مع الشامی جلد ۵ باب الحظر والاباحۃ

بااینہمہ "ملوں اور کارخانوں" کی جدید ایجادات کے سلسلہ میں بھی اس کا قانون اقتصاد، جماعتی فلاح و بہبود کے قوانین سے عاجز و درماندہ نہیں ہے اسی لیے وہ حکم دیتا ہے کہ اُس کے نظام میں ان ملوں اور کارخانوں کا استعمال صحیح طور پر تو جب ہی ہو سکتا ہے کہ حکومت رفاہِ عام اور مفادِ عامہ کی خاطر اُن سے کام لے۔ اور اربابِ دولت کو ایسے مواقع مہیا نہ ہونے دے کہ وہ غریبوں کو اپنی مشینوں کے پرزوں ہی کی طرح سمجھ کر اپنی اغراض کا آلۂ کار بنالیں اور اس طرح عام فقر وفاقہ کے ساتھ مخصوص افراد یا گروہ میں دولت "کنز" بن کر جمع ہو جائے۔ اور اگر پبلک میں سے دولتمند حضرات ملک کی دولت میں اضافہ کرنے اور اپنی فاہیت من جائز بہنات پیدا کرنے کے لیے "حکومت" سے اجازت خواہ ہوں تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ مندرجۂ بالا شرائط و حدود کے ساتھ اُن کو اجازت دے تاکہ افراط و تفریط سے الگ اس بارہ میں ایسا توازن قائم ہو جائے کہ ارباب سرمایہ، مذموم سرمایہ داری تک نہ پہنچ سکیں اور اجیر و مزدور حیوانوں، اور غلاموں کی طرح نہیں بلکہ باہمی اشتراک و تعاون کے ساتھ اپنی معاشی زندگی کو باحسن وجوہ حاصل کر سکیں، کیونکہ یہ اگر حاصل ہو جائے تو پھر مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ کے امکانات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

رہا یہ امر کہ مزدوروں اور غریبوں کے حفظانِ صحت، خوراک و لباس کی آسائش، بچوں کی تعلیم وغیرہ معاملات، سو وہ عنقریب حکومت کے خالص فرائض کی تفصیل کے وقت سامنے آئینگے۔

انفرادی عیش و تنعم یوں تو ہر شخص اپنے روپیے، پیسے، اور ذرائع آمدنی کو انفرادی ملکیت کی بناء پر اپنی راحت اور اپنے عیش پر صرف کرنے میں مختار و مجاز ہے، لیکن اگر یہی اختیار و اجازت حدِ اعتدال سے نکل کر اس غلط راہ پر پڑ جائے کہ عورتوں میں زیور کی کثرت، زیب و زینت کی گراں قیمت اشیاء کی خریداری، فیشن کی دلدادگی، اور مردوں میں اسراف و نمائشی اخراجات، ضروریاتِ انسانی سے الگ خارج از اعتدال تفریحی اخراجات کا ایسا ہمہ گیر شوق و ذوق پیدا ہو جائے کہ

قوم کی قوم اُس میں مبتلا نظر آنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ بازاروں میں عام حاجات کی اشیاء کے مقابلہ میں بناوٹی حسن اور زیبائش کی اشیاء کا لین دین بڑھ جائے۔ اہل صنعت وحرفت کی نظران ہی امور کی دیدہ ریزی اور لطافت آفرینی میں محو اور مصروف ہو جائے، تجار کی تجارت کا فروغ صرف اسی پر رہ جائے۔ مزدوروں کی محنت کا ثمرۂ دولت اسی پر خرچ ہونے لگے اور عام ضروریات کی تجارت خام اجناس کی زراعت اور رفاہِ عام کے سلسلہ کی صنعت وحرفت کسادبازاری کے نذر ہونے لگو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس قوم کا اقتصادی جہاز گردابِ ہلاکت میں گھر چکا ہے اور آج نہیں تو کل اس کے لیے تخت کی جگہ تختہ اور زربفت وکمخواب کی جگہ ٹاٹ وپلاس بھی میسر نہیں آئیگا۔

ملک کی ایسی خستہ حالت کو روکنا، اور اُس کے انفرادی اختیارات کی اس آزادی پر اخلاقی اور آئینی پابندیاں عائد کرنا اور اُس ملک کی اقتصادی زندگی کو تباہی وبربادی سے بچانا حکومت کے اہم فرائض میں سے ہے۔ اسی لیے اسلام نے اگرچہ "ذرائع آمدنی" اور "آمدنی" کی بہت سی شقوں میں انفرادی حقِ ملکیت کو تسلیم کیا ہے لیکن ساتھ ہی اُس کا یہ منشاء اور خواہش ہے کہ اختیار کی یہ باگ اس قدر ڈھیلی نہ رہنے دی جائے جس کی بدولت عام انسانی دنیا اقتصادی بدحالی میں گرفتار ہو جائے، اور صرف چند سو یا چند ہزار انسانوں کی سرمایہ دارانہ عیش پسندی کی مرضیات میں ڈوب کر خدا کی عام مخلوق ہلاکت وتباہی کے گھاٹ اُتر جائے۔ اسلام کے مایۂ ناز فلسفی شاہ ولی اللہ نے اس مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ تمدن ومعیشت کے فساد کی راہوں میں یہ بہت بڑی راہِ فساد ہے۔ لکھتے ہیں:-

وکذلك من مفاسد المدن	اسی طرح تمدن کی تباہی وہلاکت کے امور میں سے
ان ترغب عظماء هم فی دقائق	یہ ہے کہ اُمت کے بڑے زیورات، لباس، مکانات
الحُلی والليا س والبناء والمطاعم	خورونوش اور عورتوں کے حسن وزیبائش وغیرہ

وغيد النساء ونحو ذلك زيادة — کی باریک بینیوں اور دقیقہ سنجیوں میں مبتلا ہو جائیں

على ما تعطيه الارتفاقات — اور حاجات و ضروریات سے زیادہ عیش و

الضرورية التى لابد للناس — تنعم کی زندگی میں مشغول و منہمک ہو جائیں۔

منها الخ

اور آخر کار نتیجہ یہ نکلے کہ

وجرّ ذلك الى التضييق على — اُن لوگوں پر اس کی وجہ سے سخت مصیبت آن پڑے

القائمين بالاكساب الضرورية — اور دشواری ہو جائے جو مثلاً زراعت، تجارت

كالزراع والتجار والصناع — اور صنعت و حرفت کے مختلف کام کو فروغ دینا چاہتے

وذلك ضرر بهذه المدينة — ہیں اور اس ایک شہر یا ملک کا یہ ضرر آہستہ آہستہ ایک

يتعدى من عضو منها الى — عضو اجتماعی کے دوسرے عضو میں سرایت کرتا جاتا ہے

عضو حتى يعم الكل [۱] — یہاں تک کہ تمام مخلوق ایک عام تباہی میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اسلام نے ایسے تمام ذرائع کا سد باب بھی ضروری سمجھا ہے اور اُس کی اصلاح کے لیے بھی مختلف قدم اُٹھائے ہیں، جن میں سے بعض (ب) کی ذمہ داریوں میں آنے والے ہیں، اور عام قانون کے اعتبار سے ان سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔

وكان هذا المرض قد استولى — اور یہ مرض عجمی تمدن پر چھایا ہوا تھا پس اللہ تعالےٰ

على مدن العجم فنفث الله — نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات

فى قلب نبيه صلى الله عليه وسلم — ڈالی کہ وہ اس مرض کا اس طرح علاج کریں کہ

ان يداوى هذا المرض بقطع مادته — اس فاسد تمدن کا مادہ ہی ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائے

فنظر رسول الله صلى الله عليه — اس لیے آپ نے دیکھا کہ اس تمدن کی زیادہ تر بنیاد

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ - ابواب من ابتغاء الرزق۔ [۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲

وسلم الی مظان غالبیۃ لھٰذہٖ الاشیاء کالقینات والحریر والقسی وبیع الذھب بالذھب متفاضلا لاجل الصیاغات او طبقات اصنافہ ونحو ذلک فنھی عنھا۔[1]

گانے والی عورتوں کے شوق، مردوں کو طرح طرح کے ریشمی اور حریر کے لباس کی نزاکت کے ذوق، اور سونے کے زیورات کی چمک دمک کے شوق میں سونے کا سونے کے ساتھ کمی زیادتی کے اصولی کاروبار پر ہے۔ لہٰذا آپ نے انکی اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی ممانعت کردی اور حکم دے دیا کہ اس مصنوعی اور تباہ کن عیش پسندی کو ختم ہونا چاہیے اور سادہ زندگی کو اختیار کرنا چاہیے۔

انفرادی ملکیت کے بعض اور اہم جزئیات بھی ہیں جو اقتصادی نظام میں قابل غور ہیں مگر ہمارا مقصد تمام جزئیات کا احاطہ نہیں ہے بلکہ اصولی خاکہ پیش کرنا ہے۔ اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہ ہیں اقتصادی نظام کی وہ ذمہ داریاں جو (الف) کے دائرہ میں آتی ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیے کہ اسلام نے ایک جانب انفرادی ملکیت کو تسلیم کیا اور دوسری جانب اُس پر ایسی شرائط اور حدود لگادیں کہ کسی وقت بھی یہ انفرادی ملکیت اجتماعی اقتصادیت کے لیے باعث تباہی وبربادی نہ ہوسکے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اُس نے فطری اور نیچرل تفاوت مالی کو انسانوں میں تسلیم تو کیا ہے مگر سرمایہ داری کی اُس زندگی کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جو سرمایہ کو مخصوص افراد یا گروہ میں جمع کرکے باقی عام مخلوقِ خدا کی اقتصادی تباہی کا باعث بنتی اور انسانوں کو انسانوں پر آقائی اور خداوندی کا حق دیتی ہے۔

وہ یہ تو جائز رکھتا ہے کہ آمدنی اور ذرائع آمدنی کے بعض شعبوں میں اشخاص و افراد کو حق

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲

ملکیت حاصل ہو جائے لیکن اس کو حرام قرار دیتا ہے کہ کوئی بھی انفرادیت کا شعبہ اجتماعی جالی کا سبب بن سکے۔ گویا وہ انسانوں کی قدرِ مشترک درجہ میں ایک عام مساویانہ زندگی کا خواہاں ہے۔ نہ افراط کی راہ اُس کو پسند ہے کہ سرمایہ داری فروغ پا جائے اور نہ تفریط کا راستہ اُس کو بھاتا ہے کہ افراد کی ذاتی آمدنی و ذرائع آمدنی پر بالکل ہی قفل ڈال دیے جائیں۔

یا یہ کہہ دیجیے کہ اسلام اس فطری نظام کا حامی ہے جو نہ ایسی مساوات تسلیم کرتا ہے جس میں تمام انسان بغیر کسی فرق کے اپنی معاشی زندگی میں بالکل مساوی ہوں اور اُن کے درمیان "مالی درجات" کا ادنیٰ سا بھی تفاوت نہ پایا جاتا ہو، اور نہ ایسے ظالمانہ تفاوت کا قائل ہے جس میں غربت و امارت کا امتیاز اس طرح قائم ہو جائے کہ غریب نانِ شبینہ سے محتاج ہو اور امیر دولتِ قارون کا مالک بن جائے۔

بلکہ وہ ایسی درمیانی حالت کو قبول کرتا ہے جس میں تمام انسانوں کی زندگی قدرتی فرقِ مراتب کے ساتھ اس طرح وجود میں آئے جس کی وجہ سے معاشی اور مالی اعتبار سے آقائی و غلامی، مزدوری و سرمایہ داری کی قابلِ نفرت کشمکش کا خاتمہ ہو جائے۔

قسم (ب) کی ذمہ داریاں

قسم (الف) کی ذمہ داریوں میں اُن امور کا تذکرہ تھا جن کا تعلق براہ راست حکومت سے ہے یعنی جن کے متعلق اسلام اپنے اقتصادی نظام میں یہ چاہتا ہے کہ ان کا علاقہ براہِ راست حکومت سے رہے تاکہ اُن کے مفاد سے تمام پبلک مستفید ہو سکے اور بعض خصوصی حالات میں اگر اُن کے بارے میں انفرادی ملکیت کی اجازت بھی دی جائے تو اس مقصد کو پیشِ نظر رکھنا ازبس ضروری ہے کہ اُس کے استعمال میں ایسی کسی بھی صورت کا دخل نہ ہو جس کے باعث وہ انسانی برادری میں مذموم سرمایہ داری کے وسائل میں شمار ہونے لگے۔

اقتصادی نظام کے سلسلہ میں یہ چند اصول اور مبادیات ہیں جو مختصر طور پر بطور مثال کے

پیش کیے گئے ہیں اور جن کی تفصیل آمدنی اور وسائل آمدنی کے پیش نظر بہت سے گوشے رکھتی ہے، مگر اس جگہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

اب مناسب ہے کہ قسم (ب) کی ذمہ داریوں پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے یعنی یہ بتایا جائے کہ اسلام اپنے اقتصادی نظام میں دولت کی معمولی فراوانی کو بھی نہایت خطرہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اُس کے ردِّ عمل کے لیے ایسے احکام بیان کرتا ہے جس سے وہ مذموم سرمایہ داری کی طرف منتقل نہ ہو جائے، اور اُس سے وہ تباہ کن جرائم نہ پیدا ہو جائیں جس کی بدولت انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کو غلام بنا لیتا اور اُن کی زندگی کے ہر شعبہ میں معاشی دستبرد کو اپنا جائز حق سمجھنے لگتا ہے۔ ان ہی احکام میں سے ایک "زکوٰۃ" بھی ہے۔

زکوٰۃ "زکوٰۃ" کے لغوی معنی طہارت و پاکیزگی کے ہیں، چونکہ یہ دولت کو نجس اور ناپاک سرمایہ داری سے بچاتی اور باز رکھتی ہے اور انسان کے دل و دماغ اور ذہنیت کو عزدرِ مال اور قارونیت سے پاک کرتی ہے، اس مناسبت سے اس کا نام "زکوٰۃ" ہے۔ درحقیقت "زکوٰۃ" دو اصول پر مبنی ہے:-

(۱) مذموم سرمایہ داری سے روکنا۔

(۲) اقتصادی بہتری کے لیے جدوجہد کا جذبہ پیدا کرنا۔

پہلا اصول تو بالکل واضح ہے اس لیے کہ اسلام صرف باون ۵۲ روپیے یا باون ۵۲ تولے چاندی یا ۷½ تولہ سونا یا اُن اشیاء کو جو معمولی ضروریات سے فاضل ہوں "سرمایہ" سمجھتا اور ایک سال اس حالت پر گذر جانے کے بعد اُن کے مالک کو "سرمایہ دار" کہتا ہے، اور چالیسواں حصہ فرض کر کے "زکوٰۃ" کے نام سے بیت المال میں ایسا سرمایہ جمع کرتا ہے جو ضرورتمند افراد یا مفلس و نادار اشخاص کی معاشی زندگی کو تباہی و بربادی سے بچا لیتا ہے، اور "سرمایہ دار" کو اُس حالت پر لے آتا ہے جو اعتدال اور توسط کے مناسب ہو، یعنی ایک کی سطح پستی سے بلند کرتا اور دوسرے

کی سطح بلندی سے قدرے نیچے اُتارتا ہے تاکہ دونوں کے درمیان فطری تفاوت باقی رکھتے ہوئے عام یکسانیت پیدا کردے۔

بحرین کے گورنر کے استصواب میں "زکوٰۃ" کے متعلق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نامۂ مبارک میں فرضیۂ زکوٰۃ کی علت اور حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔

توخذ من اغنیائھم و ترد (زکوٰۃ) اُن کے مالداروں سے لی جائے اور اُن

الی فقرائھم۔ ہی کے غریبوں اور مسکینوں پر بانٹ دی جائے۔

اس طرح اُس نے یہ باور کرانے کی سعی کی ہے کہ "مالدار" کی کمائی یا وراثتی تمول کہیں اُسکے دماغ میں یہ کبر نہ پیدا کردے کہ چونکہ یہ اس کی اپنی محنت کا نتیجہ ہے یا باپ دادا کے شجرِ تمول کا ثمرہ لہٰذا مجھ پر اس سلسلہ میں اجتماعی زندگی کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ بتاتا ہے کہ یہ "مال" تنہا تیرا نہیں ہے بلکہ تیری اس دولت میں دوسروں کا بھی کچھ حصہ ہے اور اس کے ادا کیے بغیر تو کسی طرح اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کی قوم نے جب قارون جیسے سرمایہ دار (کیپٹلسٹ) کو اس کا یہ فرض یاد دلایا تھا تو اُس نے نہایت غرور و تمکنت سے اُس کے ماننے سے انکار کردیا تھا۔

ان قارون کان من قوم موسیٰ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پس وہ اُن پر

فبغیٰ علیھم واتینٰہ من الکنوز اترانے اور شرارت کرنے لگا اور بات یہ تھی

ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ کہ ہم نے اُس کو دولت کے اتنے خزانے بخشے تھے کہ

اولی القوۃ اذ قال لہ قومہ لا اُس کے ثقل و حمل سے طاقتور مزدور بھی تھک جاتے

تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین۔ تھے یا اُسکی کنجیوں کے ثقل و حمل سے مضبوط مزدور بھی

وابتغ فیما اٰتٰک اللہ الدار	تھک جاتے تھے، جب اُس کی قوم نے اُس سے
الاٰخرۃ ولا تنس نصیبک	کہا کہ شیخی نہ کر بلا شبہ اللہ تعالیٰ شیخی کرنیوالوں کو
من الدنیا واحسن کما	ناپسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تجھ کو دیا ہے اُس
احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد	کے ذریعہ سے آخرت کا سامان کر اور اس کو نہ بھول کہ
فی الارض ان اللہ لا یحب	دنیا میں تجھ کیا کچھ ملا ہوا ہے اور لوگوں کے ساتھ اسی
المفسدین۔ (القصص)	طرح بھلائی کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر بھلائی
	کے دروازے کھول دیے ہیں اور زمیں دکا

خواہشمند نہ بن، اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔

توقاروں نے جواب دیا:۔

قال انما اوتیتہ علی علم	یہ مال تو مجھ کو میرے اُس ہنر کی بدولت ملا ہے جس کا
عندی	میں واقف کار ہوں یعنی میری سرمایہ داری میری قابلیت
	و ہنر مندی کا نتیجہ ہے اس صورت میں دوسروں کو اس میں
	شریک نہیں کر سکتا۔

اس پر حق تعالیٰ نے سرمایہ داروں کی اس ذہنیت کو رد کرتے ہوئے یہ ذہن نشین کرایا کہ جب دولت مذموم سرمایہ داری تک پہنچ جاتی ہے تو پھر بڑی سے بڑی قوت و طاقت پکڑ جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ اُس کو فنا کر دیتا اور ہلاک کر ڈالتا ہے۔ گزشتہ قوموں میں بھی سرمایہ داروں کے ساتھ اُس نے یہی کیا ہے۔

اولم یعلم ان اللہ قد اھلک	کیا اُس کے علم میں یہ نہیں ہے کہ اُس سے پہلے
من قبلہ من القرون من ھو	اللہ تعالیٰ ایسی کتنی جماعتیں تباہ کر چکا ہے جو اُس
اشد منہ قوۃ واکثر جمعاً	سے زیادہ قوت والی اور سرمایہ دار تھیں۔

اور بالآخر اُس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا تاکہ سرمایہ دار عبرت حاصل کریں اور اپنے مال میں جماعتی حصہ داری کو فراموش نہ کریں

فخسفنا بہ و بدارہ الارض — پس ہم نے اُس کو اور اُس کے دولت خانہ کو تہ زمین دھسا دیا۔
فما کان لہ من فئۃ ینصرونہ — پھر کوئی جماعت اُس کی مدد کے لیے سامنے نہ آئی جو اللہ
من دون اللہ وما کان — کے مقابلہ میں ہوتی اور نہ وہ خود مدد لاسکا یعنی خدا کا انقلابی
من المنتصرین۔ — ہاتھ جب ایسے سرمایہ داروں کو ہلاک کرتا ہے تو پھر کوئی نصرت
(قصص) — و مدد اُن کو نہیں بچا سکتی۔

اور سورۂ برأت میں اس "اصل" اور "فرض" کو زیادہ وضاحت کے ساتھ "بنیادی" رنگ میں بیان کیا ہے۔

یاایھا الذین آمنوا ان کثیراً من — اے ایمان والو اہل کتاب کے بہت سے عالم اور
الاحبار والرھبان لیاکلون — درویش لوگوں کے مال ناحق کھاتے اور اللہ کی
اموال الناس بالباطل و یصدون — راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی کو
عن سبیل اللہ والذین یکنزون — خزانہ بناتے ہیں اور اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ
الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا — نہیں کرتے سو اُن کو خوشخبری سُنا دے دردناک
فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب — عذاب کی۔
الیم۔ (توبہ)

یہاں اداء فرض کا نام "انفاق فی سبیل اللہ" رکھا اور اُس سے غفلت برتنے والے دولتمند کی دولت کو "کنز" بتایا، اور سمجھایا کہ یہی وہ سرمایہ داری ہے جو اسلام میں قابلِ "لعنت" ہے، اور خدا کی عام مخلوق میں اقتصادی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ (باقی)